

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

آدمی اگر دینی تصور اجتماعیت اور اخلاق عالیہ یا کسی تعمیری شعورِ مذہبیت سے محروم ہو جائے تو وہ احسن تقویم کے مقام سے گر کر اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے اور ایسا حیوان بن جاتا ہے جس کا جی چاہتا ہے کہ بدخواہش اس کے اندر پیدا ہو اسے لازماً پورا ہونا چاہیے جس منفعت یا آرام یا خوشی کو وہ حاصل کرنے کا خیال کرے وہ اسے ضرور حاصل ہونی چاہیے، وہ جس کسی کو چاہے تہس نہس کر دے، جس سے نفرت ہو اس کے لیے جینا حرام کر دے۔ جس سے اختلاف ہو جائے اس کے وجود کو سلامت نہ رہنے دے۔ جو اس کی بات مانتے سے انکار کر دے ایسے شخص کو وہ نشانہ انتقام بنا لے جو کوئی کسی مقابلے میں اس سے آگے بڑھ جائے اس کی بوٹیاں نوح لے۔

یہ ہے تصویر اس خوفناک حیوان کی جو انسانی زندگی کو خدا پرستی، اجتماعیت اور اخلاقی شعور کے اثرات سے پوری طرح آزاد کر دینے کے بعد باقی رہ جاتی ہے۔ اگر انسانیت کے اس خالص جنتی ڈھانچے کو جوں کا توں زمین پر زندگی گزارنے کا موقع ملتا تو شاید زندگی کا سلسلہ دراز نہ ہو سکتا اور انسانی افراد باہم یک دگر کشمکش کے اوائل ہی میں اپنی پوری نوح کو ختم کر لیتے۔

ہمارے خوفناک جنتی وجود کو خدا پرستی اور اجتماعیت اور اخلاق کے شعور نے ایک ایسی چیز دی ہے جس نے انسان کے لیے بقا و ارتقاء کی راہیں کھول دیں۔ وہ ہے صبر! صبر ایک ایسی روک ہے جو انسانی خود اپنے ایمان و شعور کے تخت اپنی خواہشات

اور اپنے جذبات پر لگتا ہے اور اس طرح دوسرے بے شمار انسان اس کی زد سے محفوظ رہتے ہیں، جو اب اس کو بھی دوسروں کی طرف سے سخت ملتا ہے۔ اگر یہ روک نہ ہو تو بارگاہ انسان دوسرے انسانوں کا منہ لوچ لے، اُن کی محنتوں کے حاصل کو تہس تہس کر دے۔ ان کی جان کے دیپے ہو جائے، اُن سے ہر متاع کو چھین اور لوٹ لینے کی کوشش کرے اور عام طور پر لوگوں کا حال ایسا ہو جائے کہ معاشرہ دار العذاب بن جائے۔

صبر کا انسان اسی طرح محتاج ہے جیسے کوئی گاڑی اپنی سلامتی کے لیے بریکوں کی محتاج ہوتی ہے۔ جہاں کوئی اقبالی نشان آیا، ڈرائیور نے بریکیں لگا کر گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ اور اگر کسی جگہ گاڑی کے سامنے کوئی پتھر، درخت، گڑھا یا متنفس آجائے تو اُسے بریکوں ہی کے ذریعے بالکل ساکت کیا جاسکتا ہے۔

صبر ہی پر تقویٰ مبنی ہے یا یوں کہیے کہ تقویٰ کی توجہ صبر ہے۔ بہ طور اصطلاح صبر اسلام میں متعدد مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے ایمانی شعور کے ساتھ رضا کارانہ طور پر اپنے نفس پر خود روک لگائے اور اس کو اسلام کی حدود سے تجاوز نہ کرنے دے۔ وہ اپنے لیے یہ طے کرے کہ وہ رتہ حرام حاصل نہیں کرے گا۔ وہ کسی دوسرے سے اس کا حق یا قاتلہ چھیننے یا اُس کے سر اپنی طرف سے کوئی نقصان اور وبال ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا، وہ اُسے غیبت اور جعلی کے ذریعے اذیت نہیں پہنچائے گا۔ وہ جھوٹ اور وعدہ خفانی کے ذرائع کام میں نہ لائے گا۔ وہ امانتوں میں خیانت نہیں کرے گا۔ وہ اپنی نگاہوں کو آلودہ نہ ہونے دے گا۔

صبر کی اس پگڈنڈی پر قدم رکھیں تو ہم تقویٰ کی وادی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خود تقویٰ کی حیثیت بھی یہی ہے کہ آدمی خدا کی مقررہ حدود سے آگے پیچھے نہ ہو اور اس کی مرنیات کی پابندی کرے۔ اور اس نے جن چیزوں سے روکا ہے اور جن کا انجام بتایا ہے ان سے باز رہے۔

اور نگاہ کو اگر زیادہ وسیع کیا جائے تو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ دینِ برحق کو اختیار کرنا اور اس کا غم بھر پابند رہنا بڑا وسیع صبر اور بڑا عظیم تقویٰ ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں رضائے الہی اور استروئی نتائج کو مد نظر رکھ کر بہت سے فوائد اور سائنشوں کو چھوڑنا اور تکلیفیں اور نقصان اٹھانا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے۔ یہی صبر و تقویٰ ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے لیے خیر خواہ اور ایشیا رکیش بناتا ہے اور محبت و امن کی فضا پیدا کرتا ہے۔

سب سے پہلے تو ایمان صبر و تقویٰ پیدا کرتا ہے، اس کے بعد عباداتِ خمسہ میں سے ہر ایک کے ذریعے انسان کو صبر کیشی کی تربیت دی جاتی ہے۔ لیکن روزہ یا صوم تو بطور خاص صبر کے روپے کی عملی مشق کا ذریعہ ہے۔ بعض اصحابِ علم تفسیر کا یہ خیال ہے کہ **وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** میں صبر سے مراد روزہ ہی ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو **شَهْرُ صَبْرٍ** کا نام دیا ہے۔ روایت مجیبۃ الباطنیہ مشمولہ ریاض السالکین نمبر ۱۲۲۵

سورہ بقرہ میں روزوں کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ بہتر میں تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور تقویٰ صبر ہی کی وسیع تر صورت کا نام ہے۔

روزے میں سحری سے افطار تک کھانے پینے پر بھی کامل پابندی ہے اور ازو واجبی رالط بھی ممنوع ہے۔ پھر نیند پوری نہ ہونے کے باوجود سحری کے لیے اٹھنا اور عشاء کے بعد تراویح کی لمبی نماز پڑھنا آدمی کے لیے خاص بڑا امتحان ہے اور یہ امتحان دو چار دن کے لیے نہیں، مہینہ بھر جاری رہتا ہے۔ اس مہینے بھر کی مدت میں انسان کو اپنی

یہ روایت سلمان فارسی میں رمضان کے متعلق آیا ہے کہ **”قَدْ هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرِ تَوَابَةُ الْجَنَّةِ“** (بہیقی)

بنیادی جسمانی خواہشوں کے دباؤ اور ان کی اُکساہٹوں کا بھی اندازہ ہو جانا ہے اور ان کو قابو میں رکھنے کی مشق بھی ہو جاتی ہے۔

مگر مطلوب صرف بھوک پیاس وغیرہ جیسے امور پر ہی قابو پانا نہیں، بلکہ مطالبہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کالی دسے یا لڑے جھگڑے تو اسے جیسے کو تیساکے اصول پر جواب نہ دیا جائے بلکہ عذر کر دیا جائے کہ بھائی میں روزے سے ہوں اور ایسی حرکات نہیں کر سکتا۔

در روایت ابو ہریرہ - متفق علیہ مندرجہ ریاض الصالحین - نمبر ۱۲۳۷

پھر بس اس پر ہی نہیں بلکہ حضور نے فرمایا کہ جس شخص نے چھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اس سے اللہ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا ترک کرے۔

در روایت ابو ہریرہؓ بخاری - مندرجہ ریاض الصالحین - نمبر ۱۲۳۸

”قول الزور اور عمل بالزور“ میں گناہ کی تمام باتیں آجاتی ہیں۔ یعنی روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی گناہ کے تمام کاموں کو چھوڑ دے اور مہینے بھر میں اس کی مشق بہم پہنچائے کہ جس طرح وہ بھوک، پیاس، آرام، نیند اور ازدواجی معاملے میں اپنے اوپر پابندیاں عاید کیے ہوئے ہے اسی طرح وہ یہ پابندیاں بھی عاید کرے کہ نرمی باتوں اور نرمے کاموں سے اجتناب کرے گا۔ اگر کوئی شخص دروغ گوئی، وعادہ خلافی، غیبت، چغلی، ظلم و زیادتی کے مشاغل کو جاری رکھے تو محض روزے کا ظاہری ڈھانچہ خدا کو مطلوب نہیں ہے۔ اسی طرح دارمی نے روایت ابو ہریرہ میں حضور کا یہ ارشاد بھی بیان کیا ہے کہ قیام لیل کرنے والے بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کو قیام سے بجز رت جگے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یوں بات لفظ بھرے پل کر پھیلتی ہوئی تقاری کا وسیع مفہوم اختیار کر لیتی ہے۔

اندازہ کیجیے کہ اس طرح کی تربیت سے اگر کسی معاشرے کے ہزار لوگ ”ایبًا تَأْتِ
اِحْتِسَابًا“ (روایت ابو ہریرہ - ریاض الصالحین - نمبر ۱۲۱۶) کی شرط کے سامنے گذریں تو سارا
ماحول تبدیل ہو سکتا ہے۔ لوگ آپس میں بات کریں، نیک و مسلمانوں کے سامنے، لین دین کریں

تو دیانت و امانت کے ساتھ، جذبور اور خواہشوں کے ٹکراؤ پر انضباط حاصل کریں تو محض دے دل کے ساتھ۔ دوسروں کے خیالات، دوسروں کے استدلال، دوسروں کے مقاصد، دوسروں کے مشاغل، دوسروں کے اختلافات وغیرہ ساری چیزوں کو رواداری سے گوارا کریں۔ دوسرے کو وہی سقوت دیں کہ خود ان کو حاصل ہونے چاہئیں۔ دوسروں کو یہ اس تکلیف سے محفوظ دلائیں جس سے وہ خود بچنا چاہتے ہوں۔ ماہ رمضان کی اس سبمانی، روحانی، اخلاقی تربیت سے اگر صحیح استفادہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ رشوت و خیانت، ظلم و استخسار اور جبر و تشدد کا دور دورہ ہمارے دل جاری رہ سکے۔ آج جو پھینا چھٹی ہر طرف مچی ہے اور تکاثر و تفاخر کی جو سکون سوز دوڑ لگی ہے اس کے وبال سے ہم بچ سکتے ہیں۔ انسان پر مٹینوں کے اس دور نے جو نشہ قوت طاری کر دیا ہے شاید اس کی گرفت سے ہم آزاد ہو سکیں، لذات اور تعیشات و تفریحات کا جو طوفان اُڈ پڑا ہے اس سے ہم اپنے اوقات اور قوتوں کو بچا کر اچھے مقاصد کے لیے صرف کر سکیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کا چاند بیکھ کر دعا فرمایا کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ أَهْلُهُ عَيْنًا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامِ وَالْإِسْلَامِ“

اور پھر چاند کو مخاطب کر کے سَبِّحْ رَبِّي وَرَبَّكَ اللَّهُ کے الفاظ ادا کرنے کے بعد یہ بھی فرماتے کہ ”هَلالٌ من شَدِّ وخَيْرٍ“۔ (روایت طلحہ بن عبید اللہ۔ مشمولہ ترمذی۔ حوالہ ریاض الصبیح)

(نمبر ۱۲۲۵)

یعنی اے اللہ اس ہلال کی نمود ہمارے لیے امن و امان اور ایمان اپنے ساتھ

لائے اور سلامتی اور اسلام اس کے ہمراہ ہو۔ آخر میں فرماتے۔ یہ چاند

ہمارے لیے ہدایت اور بھلائی کا چاند ہو۔

اس دعا کی روشنی میں بھی صاف عیاں ہے کہ مسلمان معاشروں اور مسلمان جماعتوں کا

سفر اصل میں ایمان و اسلام کے ساتھ امن و سلامتی کی طرف ہے۔ لوگ اپنی خواہشات

کے بندے نہیں، ذرا ذرے سے مفاد کے لیے دوسروں کے حق میں باعثِ آزار نہ ہوں،

بد زبانی اور دراز دستی نہ کریں۔ اور محبت و آشتی کی فضا میں ایک دوسرے کے

خیر خواہ اور معاون ہوں۔

یہ ہیں ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ کے معنی اور یہ ہے ماہ رمضان کی لمبی تربیتِ صبر

کا اصل مطلوب!

رمائے الہی کے صحیح نصب العین کے تحت زندگی کی صلاح و فلاح کے متذکرہ مقصود کو سامنے رکھ کر روزے رکھیے، افطار کیٹیے اور کرائیے، تراویح پڑھیے، سحری کو اٹھیے، قرآن پڑھیے اور قرآن سنئیے۔ صدقہ و خیرات کیٹیے تاکہ اس مہینہ کی پوری برکات حاصل ہو سکیں اور صبر و تقویٰ کی راہوں میں کامرانی کی جاسکے۔

تصحیح

”اختلاف امتی رحمة“ حدیث نہیں ہے۔ ہم نے اس غلط المعام بات کو لکھ دیا۔ خدا معاف کرے۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب (مدینہ منورہ) کو خدا جزائے خیر دے کہ انہوں نے متنبہ کر کے خیر خواہی کا حق ادا کیا۔

یہ ایک حقیقت عمری پر مشتمل مقولہ ہے۔ ایسا ایک قول امام مالک کا سیوطی نے نقل کیا ہے

نیز معلوم ہوا کہ حضرت عباس سے جس ایسا کوئی ارشاد موجود ہے

مگر جو ارشاد رسول اللہ کا نہ ہو، اس کو حضور سے منسوب کر دینے میں گناہ ہے۔ دانستہ کیا گیا ہو تو انتہائی شدید قسم کا اور نادانستگی میں ہو جانے تو بعض معمولی نہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔ (ن۔ ص)

پچھلی مرتبہ کے اشارات میں پی۔ ایم۔ جی آفس کی جگہ جی۔ پی او لکھا گیا تھا۔ غلطی کی

تصحیح کر لی جائے۔ (ن۔ ص)